حامد سعید اختر کی تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر طاہرہ سرور
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

AN ANALYTICAL STUDY
OF HAMID SAEED AKHTAR'S BOOKS

Tahira Sarwar, PhD
Assistant Professor of Urdu
Lahore College For Women University, Lahore

Abstract

Men in uniform have been contributing to Urdu literature both prose and verse. Brig. Hamid Saeed Akhtar is one of them who has achieved a prominent position in literary circles by presenting the essence of his observations and experiences. This article is about Hamid Saeed Akhtar's life and critical analysis of his books,"Sad Shir e Ghalib", "Wazir e Ba Taqreer" and "Riyasat Siyasat Aur Qayadat".

Keywords:

حامد سعید اختر، بیگم عابدہ حسین، کرنل اکرام اللہ، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، طباطبائی، اردو، ادب، جدت، ایئر فورس، بصیرت، شعری زبان

اردو ادب کی طویل روایت پر محض سرسری سی نظر ڈالی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ عسا کر اور ادب کا تعلق ہمیشہ سے بڑی مضبوطی کے ساتھ برقرار رہا ہے۔ عسکری شعرا نے اردو شعر و سخن کے دامن کو نہ صرف وسیع کیا بلکہ اسے ندرت و جدت عطا کی۔ نثر کے میدان میں بھی فوجی قلم کار کسی سے پیچھے نہیں رہے، ادب کی شاید ہی کوئی جہت ایسی ہو جہاں انھوں نے اپنی روشنائی سے چراغ روشن نہ کیے ہوں۔ انھی عسکری دانشوروں میں ایک نام بریگیڈئر حامد سعید اختر کا ہے جو اپنے مشاہدات و تجربات کا نچوڑ اپنی معروف کتب میں پیش کر کے ادبی تجزیہ نگاروں میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

حامد سعید اختر ۸ دسمبر ۱۹۴۲ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں اسلامیہ ہائی سکول، متراں والی، سیالکوٹ سے میٹرک کیا۔ بعد ازاں اپنی والدہ اور بھائی کے ہمراہ گوجرانوالہ منتقل ہو گئے۔ ۱۹۶۰ء میں گورنمنٹ ہائی سیکنڈری سکول سے ایف اے کرنے کے بعد ایئر فورس میں شمولیت کا ارادہ کیا۔ سلیکشن کے بعد حامد سعید کو ناک کی ہڈی کا آپریشن کرانے کو کہا گیا جس پر انھوں نے ایئر فورس میں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ۱۹۶۱ء میں پاک فوج میں شمولیت اختیار کی اور ڈھائی سال کی ٹریننگ کے بعد ۱۸/ اپریل ۱۹۶۵ء کو آرٹلری کور سے وابستہ ہو گئے۔(۱)

حامد سعید اختر نے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ ان دنوں کیا صورتحال تھی؟ اس بارے میں ان کا کہنا ہے:

> ''پانچ یا چھ ستمبر کی رات سیالکوٹ بارڈر پر حملہ ہو گیا۔ ہم نے دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا اور اسے آگے بڑھنے نہ دیا۔ ان دنوں نیند کیلئے ہمارے پاس کوئی وقت نہ تھا۔ چہرے گرد آلود، وردیاں دھوئیں سے سیاہ، آنکھیں نیند سے محروم اور بھوک پیاس کی کچھ خبر نہیں۔ سترہ دن فائر ہی فائر، بہت جذبہ اور جوش تھا۔ وہ میری زندگی کے نا قابل فراموش دن تھے۔''(۲)

حامد سعید اختر ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے دسمبر ۱۹۶۵ء میں کیپٹن، ۱۹۷۰ء میں میجر ۱۹۷۸ء میں لیفٹیننٹ کرنل، ۱۹۸۴ء میں کرنل اور ۱۹۸۶ء میں بریگیڈیئر کے عہدے پر فائز ہوئے اور اسی حیثیت سے اپنی ملازمت پوری کرنے کے بعد ۷ دسمبر ۱۹۹۴ء کو پاک فوج سے ریٹائر ہو گئے۔ آپ دسمبر ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۲ء تک وزیر بلدیات پنجاب رہے۔ لکھنے پڑھنے کا کام اب بھی جاری ہے۔ ان کی تصانیف میں ''وزیر با تقریر''، ''ریاست، سیاست اور قیادت'' اور ''صد شعر غالب'' شامل ہیں۔

وزیر با تقریر

زیر نظر کتاب حامد سعید اختر کی فی البدیہہ تقریروں پر مشتمل ہے۔ ان تقریروں کو پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ تقریر پڑھ نہیں رہے بلکہ محفل میں بیٹھے ہوئے براہِ راست مقرر کی زبانی سن رہے ہیں۔

تصور کی آنکھ سے نہ صرف مقرر کی حرکات وسکنات دیکھ رہے ہیں بلکہ گرمی محفل سے بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ مزاج کی چاشنی اور دلیل کا سحر قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا کے مطابق لکھی ہوئی تقریر اس خاتون کی طرح ہے جو نوک پلک سے درست ہو کر کسی محفل میں چلی آتی ہے اور ہمہ وقت خود بینی اور خودنمائی کا مظاہرہ کرتی ہے جب کہ فی البدیہہ تقریر اس دوشیزہ کے مانند ہے جو اپنے وجود سے بے نیاز ہوا کے جھونکے کی سی آزادہ روی کے ساتھ آتی اور گزر جاتی ہے۔حامد سعید اختر صاحب کی تقاریر کی بے ساختگی کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھی ہوئی یا پہلے سے سوچی ہوئی تقاریر نہیں ہیں۔فی البدیہہ ہونے کے باوجود ان تقاریر کے اعماق میں منطقی ربط سدا موجود رہتا ہے جو انھیں آزاد تلازمۂ خیال میں منقلب ہونے سے باز رکھتا ہے۔حامد سعید اختر اپنی تقریر کے دوران میں موضوع کی بالائی سطح کے ساتھ چلتے چلتے معاً کوئی نہ کوئی ایسا معنی خیز نکتہ لڑھکا دیتے ہیں جو سامعین کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیتا ہے مگر ابھی وہ پوری طرح اس نکتے پر غور نہیں کر پاتے کہ کوئی اور خیال انگیز نکتہ انھیں انگلی سے لگا کر آگے لے جاتا ہے۔(۳)

تقریروں میں حامد سعید اختر تکرار لفظی سے کام نہیں لیتے۔ وہ بات کرتے ہوئے ضروری الفاظ استعمال کرتے ہیں اور یہ تقریر کا ایک بہت بڑا وصف ہے جو کسی کسی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ان کی تقریر کا ایک اور وصف یہ بھی ہے کہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ایک ایسا اعتماد جو قطعیت کا مظاہرہ نہیں کرتا بلکہ دلیل کا سہارا لے کر مخاطب کو بے دست وپا کرنا جانتا ہے۔استاد کو علم کی دولت سے مالا مال ہونا چاہیے اس حوالے سے حامد ایک تقریر میں کہتے ہیں:

> ''اساتذہ والا جذبہ اگر آج بھی ہو تو آج بھی استاد کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہو جائے لیکن ہمارے اپنے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونا چاہیے کہ کیا ہم اس مشنری جذبے سے کام سرانجام دے رہے ہیں کہ علم کی تحصیل وترویج ہمارا مطمح نظر ہو؟ میرا مشاہدہ ہے کہ وہ اساتذہ جو علم کی دولت سے مالا مال ہیں شاگردوں کی نظر میں ان کی عزت اور ان کا وقار ہے اور جنھوں نے یہ قدر ومنزلت کھو دی ہے وہ خود بھی قصوروار ہیں۔یہ درست ہے کہ معاشرتی تبدیلیاں بھی آئی ہیں لیکن میرے خیال میں ان کی اپنی Contribution بھی اس بے قدری کے عمل میں کافی زیادہ ہے۔''(۴)

حامد کی تقریروں میں شگفتگی کی ایک لہر موجود ہے جو سنجیدہ سے سنجیدہ محفل کو بھی زعفران زار میں تبدیل کر سکتی ہے۔بیگم عابدہ حسین کی دھواں دھار تقریر کے جواب میں کہتے ہیں:

> ''اپنی تقریر کے دوران میں ایک مرحلہ پر محترمہ نے مجھے تہدیداً کہا کہ جب وہ تقریر کر رہی ہوں تو مجھے پوری طرح متوجہ رہنا چاہیے کیونکہ مجھے ان کے اٹھائے ہوئے نکات کا جواب دینا ہوگا۔

یہ تنبیہ غیر ضروری تھی کیونکہ محترمہ اگر تقریر نہ بھی کر رہی ہوں تو ایک خاتون ہونے کے ناطے میری توجہ کی مستحق ہیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں ان کی تقریر کے دوران میں ہمہ تن گوش تھا اور جب میں ان کے اٹھائے ہوئے نکات کا تفصیلاً جواب دوں گا تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ میں نے ان کی تقریر کتنی توجہ سے سنی ہے۔''(۵)

خواتین ووٹروں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

''خواتین ووٹروں کیلئے یہ اپنی کم عمر کی تصدیق کرانے کا سنہری موقع ہے۔ وہ ووٹ کا اندراج کراتے ہوئے بالکل نہ جھجکیں کیونکہ اس بار اپنا ووٹ بنوانے کے بعد جب آپ بظاہر سادگی سے یہ کہیں گی کہ بہن میرا تو پہلی بار ووٹ بنا ہے تو دراصل بہت پرکاری سے آپ یہ کہہ رہی ہوں گی کہ آپ ابھی ابھی اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچی ہیں۔ اس طرح آپ کی بالی عمریا پر مہر تصدیق ثبت کرنے کا باعث بن جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو اس ذمہ داری کا احساس ہے اور آپ بحسن وخوبی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گی۔''(۶)

''انصاف صاحب عوام کی دہلیز پر'' سے ایک دلچسپ اقتباس دیکھیے:

''میں آپ کو ایک لطیفہ سناتا چلوں۔ ایک مولوی صاحب سوئے ہوئے تھے۔ نیند کی حالت میں پہلے وہ ہنس پڑے پھر رو دیئے۔ بیگم نے جگا کر پوچھا قبلہ ایسا کیوں کیا؟ فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں حلوے کا ایک بہت بڑا تالاب دیکھا۔ اللہ کی نعمت کی یہ فراوانی دیکھ کر میں خوشی سے ہنسنے لگا۔ رونا مجھے یہ سوچ کر آیا کہ اتنا زیادہ حلوہ میں اکیلا نہیں کھا سکوں گا بلکہ دوسرے لوگ بھی کھائیں گے۔ یہی ذہنی کیفیت آج ہمارے سیاستدانوں کی ہے۔ ناظم کے اختیارات کو دیکھیں تو ضلع ناظم پر رشک آتا ہے اور ضلع ناظم بننے کو جی للچاتا ہے۔ یہ یقین کرنے پر بھی دل نہیں مانتا کہ وہ واقعی ناظم اتنا بااختیار ہوگا۔ دوسری جانب جب وہ یہ سوچتے ہیں کہ ان کا مخالف ناظم بن جائے گا تو سینے پر سانپ لوٹنے لگتا ہے۔''(۷)

حامد سعید اختر کی تقریروں کے عنوانات بھی قاری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مثلاً ''سر منڈاتے ہی ''گولے'' پڑے''، ''جمہوریت کی نرسری اور ٹوٹا ہوا گملا''، ''بالی عمریا کا تصدیق نامہ''، ''تصویر کائنات میں مرد کا مستقبل''، ''وزیر بلدیات کا سینڈوچ''، ''منشیات اور گمشدہ گھوڑا''، ''تاج محل کے سیر اور حقے کا دھواں''، ''کرنل صاحب کے بے قابو پلٹن''، ''حلفِ بے وفائی'' وغیرہ۔ ان تقریروں میں حامد سعید اختر نے حسنِ ذوق کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ وہ ادب بالخصوص شاعری کے بہت اچھے نباض ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''چٹونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''ان تقریروں میں تحریر کا لباس پہننے کے بعد وہ فنکارانہ حسن نکھر کر سامنے آ گیا ہے جسے ایک دلکش ادبی تحریر کا لازمہ کہا جاتا ہے۔اس لازمے میں تخلیقی صلاحیت کی بوقلمونی کے ساتھ جو عنصر خاص طور پر نمایاں ہے وہ حامد سعید اختر کی تقریروں میں جا بجا برمحل اشعار کا مصرف ہے اور حسب ضرورت چبھتے ہوئے برجستہ فقروں کا استعمال ہے۔انہوں نے یہ کام کچھ ایسی سادگی اور کمال فن کے ساتھ کیا ہے کہ ان کی تحریر، برنگ تقریر اور ان کی تقریر، بصورت تحریر کی داد بہر حال دینی پڑتی ہے۔''(۸)

حامد سعید اختر کی تقریروں کا تعلق کسی ایک موضوع یا مقام سے نہیں ہے بلکہ یہ مختلف مواقع پر مختلف معاملات کے حوالے سے کی گئی ہیں۔ان میں سے بعض مختصر ہیں، بعض طویل، بعض کا موضوع ادب ہے بعض کا سیاست یا سماجی مسائل تاہم یہ تمام تقریریں فی البدیہہ اور برجستہ ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ تقریر کا تعلق نطق، صوت اور سماعت سے ہے۔اس اعتبار سے تقریر محض سننے کی چیز ہوتی ہے لیکن اچھی تحریر کے لوازمات مختلف ہوتے ہیں۔جب کوئی تقریر ضبط تحریر میں آ جائے تو پھر اسے تقریر و تحریر دونوں کی کیفیات کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔حامد سعید اختر کی تحریر میں شگفتگی و سرور آفرینی کے جو نشانات ملتے ہیں وہ مستقبل میں ان کی باقاعدہ قلمکاری کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔(۹)

ان تقریروں کے بارے میں حامد کا کہنا ہے کہ کرنل اکرام اللہ نے انھیں پاکستان نیشنل فورم کی جانب سے تقریر کرنے کے متعدد مواقع فراہم کیے۔ان مواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے مختلف سیمیناروں میں فوج میں قیام کے عرصے سے اپنی زبان پر جمی ہوئی کائی اتاری۔حامد لکھتے ہیں:

''ایسے مواقع پر کی جانے والی تمام تقاریر فی البدیہہ تھیں تو اس کی وجہ بھی فن خطابت میں میری ناپختہ کاری اور وقت کی عدم دستیابی تھی۔ان تقریروں نے جب اپنی بے ربطی کے حوالے سے شہرت پائی تو دوستوں کے روپ میں بعض بدخواہ مجھے قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ انہیں کتابی صورت میں شائع کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ عمل ادب دوستی پر محمول کیا جائے۔ظاہر ہے کہ موقع کی مناسبت سے کی گئی فی البدیہہ تقاریر کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں تھا۔تاہم ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔گذشتہ چھ ماہ کی مسلسل کوشش سے بعض تقاریر کا ویڈیو یا آڈیو ریکارڈ دستیاب ہو گیا جو تقریب منعقد کرانے والوں کے پاس محفوظ تھا۔کچھ تقریروں کے شاٹ ٹی وی والوں سے دستیاب ہو گئے اور کچھ تقریریں اخباری رپورٹوں کی مدد سے مرتب کر لی گئیں۔اس طرح سامعین کے بعد قارئین کے صبر کو آزمانے کا سامان بھی فراہم ہو گیا۔مجھے ان تقریروں کی ادبی حیثیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں لیکن میں نے ان تقریروں کا مسودہ پڑھنے والوں بیشتر دوستوں کے چہروں پر مسکراہٹ رقصاں دیکھی ہے اگرچہ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ وہ میری غلط سلط تحریر اور ناقص

اظہار بیان پر خندہ زن ہوئے ہوں، تاہم آج کے گھٹن سے بھرپور ماحول میں جب تمام امیدوں اور لامحدود خواہشوں کے باعث ہر شخص مایوسی کا شکار ہے، اگر میری تحریر چند افراد کو متبسم کرنے کا وسیلہ بن سکے تو یہ عین کارِ ثواب ہے۔"(۱۰)

حامد سعید اختر کو بغیر تیاری کے ہر موضوع پر گفتگو کرنے کا فن آتا ہے۔چودھری اعتزاز احسن، محترمہ تہمینہ دولتانہ کو قائل کرنے اور توتے پکڑنے کی انوکھی ترکیب، ہیوی ویٹ خواتین کے درمیان سینڈوچ شدہ وزیر باتدبیر وخوش تقریر، محترمہ بیگم عابدہ حسین کی گولہ باری، ٹاٹ اسکولوں کے مشاہیر جو اپنے استادوں کی چھچی کا مزہ نہیں بھولے، لوکل باڈیز الیکشن، ان تمام موضوعات میں قدرِ مشترک حامد سعید اختر کا شگفتہ اور دل نشیں اندازِ گفتگو ہے۔

مشتاق احمد یوسفی کے الفاظ میں فی زمانہ جو شخص کسی سکینڈل یا دھندگی کے جرم میں نامزد ہونے کے بجائے بطور نامزد وزیر کرسی وزارت پر متمکن ہو جائے وہ یقیناً اس لائق ہے کہ سیاست کے کوچہ ملامت کے مطوفین وعازمین اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کریں۔حامد سعید اختر نے حالات حاضرہ کو "دیکھنے کی طرح" دیکھا ہے یعنی گھر کے بھیدی کی طرح! مائک پر اگر ان کی باری اس وقت آئے جب ان کے پیش رو کی تقریر کے دوران مودب سی ہوٹنگ شروع ہو چکی ہو اور ناظرین کو با تمکین کہہ کر خطاب کرنے میں مقرر کو تامل ہو تو مجال ہے کہ وہ نروس ہوں! ایسی صورتحال میں اس جملے سے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہیں: "مجھے یہ بھی علم ہے کہ میں آخری مقرر ہوں اور یہ جو گا ہے گا ہے بے ربط سی تالیاں بج رہی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے میں کوشش کروں گا کہ ہوٹنگ والی تالیوں میں ربط اور ہم آہنگی پیدا ہونے سے پہلے آپ سے چند الفاظ کہہ ڈالوں۔" اور اس کے بعد علامہ اقبال پر ایک دلچسپ اور پرمغز تقریر کر ڈالتے ہیں! یوں بھی توپ خانے کے بریگیڈیئر کو کوئی تالیوں اور cat-calls سے بددل، خوفزدہ یا خاموش نہیں کر سکتا۔وہ اپنے حریف کو کٹیلے فقرے سے لاجواب کرنے کے ہنر سے بھی بخوبی واقف ہیں جو یقیناً وزارت کی کرامت نہیں ہے بلکہ ایک عمر کی مشق ومزاولت کا غماز ہے۔پڑھنے والوں کو ان تقریروں میں جابجا سوال وجواب کی چٹاخ پٹاخ بھی نظر آئے گی۔وہ حکومتی مؤقف بیان کرتے ہوئے ٹھوس دلائل سے کام لیتے ہیں اور اولوالامر کی تعریفوں کے پل نہیں باندھتے۔(۱۱) بقول اشفاق احمد:

> "تقریریں پہلے بھی دستاویزی صورت میں روئے قرطاس پر ابھرتی رہی ہیں لیکن یہ ایک نیا کار اور نئی کرنی ہے۔اگر حامد سعید نے اس فن میں پیش رفت جاری رکھی تو یہ خوش بیانی اور شگفتہ نگاری کا ایک حسین امتزاج ہونے کے ناتے ابلاغ اور ادب کی دنیا میں ایک نیا اضافہ ہو گا۔"(۱۲)

یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف محفلوں، مذاکروں اور مجلسوں میں کی جانے والی یہ فی البدیہہ، برجستہ اور مزاح سے بھرپور تقریریں، تحریر کی صورت میں بھی قاری کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ یہ مجموعہ تقاریر اردو ادب میں گراں قدر اضافے کا باعث ہے۔

ریاست، سیاست اور قیادت

زیرِ نظر کتاب حامد سعید اختر کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ سات ابواب پر مشتمل یہ پینتالیس مضامین، حامد سعید اختر کے منفرد نقطہ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ حامد سعید اختر کی فوج میں شمولیت ۱۹۶۲ء میں ہوئی اور ۱۹۹۴ء میں ریٹائرمنٹ کے وقت ان کی عمر ۵۲ برس ہو چکی تھی۔ فوج میں گزارے ہوئے بتیس برسوں نے انھیں بہت کچھ دیکھنے، سیکھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم کیا، صلاحیتوں کو نکھارا اور ان کی شخصیت کو جلا بخشی۔ حامد سعید اختر نے فوج میں رہتے ہوئے خاموش مشاہدے، تجزیے، استدراک اور دروں بینی پر انحصار کیا۔ انھوں نے حالات کا مشاہدہ کیا اور نتائج اخذ کیے، تاہم دورانِ ملازمت پیشہ وارانہ مصروفیات کے باعث ان مشاہدات کو قلم بند نہ کیا جا سکا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب عسکری ''قلم بندی'' خاتمے کو پہنچی تو حامد سعید نے مختلف قومی امور پر مضامین لکھنے کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا۔ انھوں نے قومی اہمیت کے ہر اس مسئلے پر رائے زنی کی جس نے ان کے ذہن میں ہیجان پیدا کیا۔ حامد سعید اختر نے زیرِ نظر مضامین میں ایک عام پاکستانی کا مؤقف پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور حتی الوسع یہ مضامین سیاسی وابستگیوں سے بلند رہتے ہوئے دیانتداری اور غیر جانبداری سے لکھے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستان کا مفاد ہر چیز اور ہر ادارے پر مقدم ہے۔

کتاب میں ابواب کی ترتیب موضوعات کی یکسانی کے پیشِ نظر رکھی گئی ہے۔ چند عمومی نوعیت کے مضامین میں طنز و مزاح کا رنگ غالب ہے ان میں ''کچھ بھی تو نہیں بدلا''، ''حسنِ تعبیر''، ''عرفانِ ذات''، ''اثباتِ ذات''، ''لامارشل لاء''، ''سیاسی شفاخانے اور گروہ فروشِ انتظامیہ'' اور ''اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ افکار'' شامل ہیں۔ ان مضامین کو ''میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں'' کے عنوان سے ایک علیحدہ باب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

حامد سعید اختر اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں اور پاکستان کے دفاعی تقاضوں پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ بظاہر یہ تحریریں حالاتِ حاضرہ سے تعلق رکھتی ہیں جو وقتاً فوقتاً ملک کے ممتاز اخبارات میں شائع ہوئیں لیکن ان کا نفسِ مضمون محض وقتی یا ہنگامی نہیں کیونکہ حامد سعید اختر نے واقعات و معاملات کو سرسری نظر سے دیکھنے کی بجائے ان کی گہرائی میں اتر کر اور ان سے مرتب ہونے والے اثرات کو مستقبل پر پھیلا کر دیکھا ہے۔ وطنِ عزیز کی سلامتی ان کا خاص موضوع ہے۔ ان کی بعض آرا سے اختلاف کی گنجائش ہے لیکن وہ اپنے آپ کو عقلِ کل نہیں سمجھتے اور اپنے مؤقف پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کے نقطہ نظر کو جائز اہمیت دینے کے لیے تیار

رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ قارئین کے سامنے زیر بحث مسئلے کے مثبت اور منفی دونوں پہلو بیان کر جاتے ہیں۔ ان کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے موقف کی تائید میں جذباتیت کے برعکس ٹھوس دلائل سے کام لیتے ہیں۔ حامد سعید اختر کی تحریریں جوش اور جذبے سے معمور ہیں کیونکہ وہ پاکستان سے بے انتہا محبت اور اقبال اور محمد علی جناح سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔

حامید سعید اختر نے تاریخ کے سبق آموز واقعات کے حوالوں سے اپنے دلائل پیش کیے ہیں۔ ان کا انداز بیان سہل اور دلکش ہے اور انھوں نے جگہ جگہ انتہائی موزوں اشعار سے استفادہ کر کے مفہوم کی ادائیگی میں آسانی پیدا کی ہے۔ فرحت عباس شاہ لکھتے ہیں:

> ''کسی ایک قلمکار کے اندر تحریر، تخلیق اور بصیرت کا متوازن امتزاج ایک کم یاب قدر ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر کو خدا تعالیٰ نے قلب و ذہن کی ان خوبیوں سے نواز رکھا ہے۔ حامد سعید اختر ایک ایسے فطری ادیب ہیں جو حق گوئی اور بے باکی میں اعلیٰ روایات کے علمبردار ہیں۔ وہ سچ بات کی لپٹی رکھے بغیر سر منبر کہنے سے ذرا نہیں جھجکتے۔ سیاستدانوں کی جانب سے ان کے اٹھائے ہوئے نکات کا آج تک شافی جواب نہیں دیا گیا۔ زیر نظر کتاب ایک خالص پاکستانی کے احساس اور استدلال کا ایسا صحیفہ ہے جو ہماری سیاسی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔''(۱۳)

حامد سعید اختر نے اپنی کتاب ''ریاست، سیاست اور قیادت'' کے مختلف مضامین میں پاکستانی قوم کے تشخص کو اجاگر کرنے کی جو سعی کی ہے وہ قابل قدر ہے اور ان کے یہ دانش افروز مضامین دعوت غور و فکر دیتے ہیں۔

صد شعر غالب

زیر نظر کتاب میں حامد سعید اختر کلامِ غالب کے شارح کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے ہیں۔ مرزا غالبؔ برصغیر پاک و ہند کے وہ شاعر ہیں جو آج بھی اقلیم شعر و سخن کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ جتنی شرحیں دیوان غالب کی لکھی گئی ہیں کسی اور کی نہیں لکھی گئیں۔ اب تک مروجہ دیوان کی مکمل یا جزوی شروح اتنی تعداد میں لکھی جا چکی ہیں کہ ان کی فہرست بہت طویل ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مطابق یہ بات البتہ طے ہے کہ متعدد اہل علم کی تصریحات کے باوجود ابھی تک غالبؔ کے درجنوں اشعار ایسے ہیں جن کے بارے میں مزید غور و فکر کی گنجائش موجود ہے اور نئی توضیحات کا راستہ کھلا ہے۔ غالبؔ کا ایک عام قاری بھی جانتا ہے کہ الفاظ کے انتخاب اور تراکیب کی ساخت میں وہ روش عام پر نہیں چلتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے افکار میں سمندروں کی سی گہرائی ہے اور تخیل کی پرواز افلاک تک رسائی رکھتی ہے۔ شاعر کے پاس اظہار کے لیے ''میڈیم'' الفاظ کا ہے اور چونکہ بہت سے الفاظ میں معنی کی متعدد سطحیں اور تہیں ہوتی ہیں جو بعض اوقات بالکل متضاد نظر آتی ہیں اس لیے اس

بات کے وسیع امکانات ہوتے ہیں کہ شاعر کسی لفظ کو کسی ایک مفہوم میں استعمال کرے اور قاری کا ذہن اسے کسی اور طرف لے جائے۔ چنانچہ اظہار و ابلاغ کی پوری کوشش کے باوجود ابہام کی متعدد حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان پیچیدگیوں سے گزر کر شاعر کے مافی الضمیر تک رسائی کتنی دشوار ہے اور اس لحاظ سے شارحین کا کام کتنا مشکل ہے۔ حامد سعید اختر کلام غالب کے ایک محنتی اور باذوق قاری ہیں۔ انھوں نے دیوان غالب کو بار بار پڑھا ہے اور اشعار کی لفظی اور معنوی پیچیدگیوں پر غور و خوض کیا ہے۔ الفاظ و تراکیب کی تفہیم کے لیے اپنے مطالعے کو رہنما بنانے کے ساتھ ساتھ لغات سے بھرپور مدد لی ہے اور اس طرح غالب کے کلام کی ایک نئی جزوی شرح تیار کی ہے۔ حامد صاحب اردو ادب کے روایتی نقاد یا شارح نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ پاک فوج میں مختلف قسم کی خدمات انجام دینے میں بسر کیا ہے لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ ادبی ذوق ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا کہ فوجی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران وہ مطالعہ ادب کے لیے بھی وقت نکال لیتے رہے۔ اس سلسلے میں دیوانِ غالب ان کی خصوصی توجہ کا ہدف ٹھہرا۔ کتاب کے بارے میں حامد سعید اختر لکھتے ہیں:

> ''مجھے مکمل دیوانِ غالب پڑھنے کا اتفاق وزارت کے عرصے میں ہوا۔ لمبے سفر کے سرکاری دوروں کے دوران میں مولانا مہر کی ''نوائے سروش'' میرے زیر مطالعہ رہی۔ جب میں کسی شعر کی شرح سے مطمئن نہ ہوتا تو اپنا تبصرہ اور مجوزہ شرح اسی صفحے پر درج کر دیتا۔ حتیٰ کہ میرے سرخ رنگ میں لکھے ہوئے تبصرے مطبع کی سیاہ روشنائی پر غالب آ گئے۔''(۱۴)

اسی اثنا میں انھیں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں غالب کی ۱۳۳ ویں برسی پر لیکچر کے لیے مدعو کیا گیا تو اس موقع پر ان کی بیان کردہ شرحوں کو عموماً سراہا گیا۔ ایک خانگی نشست میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب نے ان سے چند شعروں کی شرح سننے کے بعد انھیں یہ خالص علمی کام کرنے کا مشورہ دیا۔ حامد لکھتے ہیں:

> ''اس نشست کے بعد اگلے دس ماہ، میں نے غالب کی ''خلوتِ ناموس'' میں گزارے اور یوں ایک سو شعروں کی شرح ضبطِ تحریر میں آ گئی۔ گویا ایک شعر پر اوسطاً تین راتیں صرف ہوئیں۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ بیشتر اشعار کی شرح بیان کرنے سے پہلے مجھے صرف ایک بات کا یقینی احساس تھا کہ دیگر شارحین کی بیان کردہ شروح سے دل مطمئن نہیں ہو پایا۔ کئی اشعار کی عقدہ کشائی مسلسل کئی کئی راتوں کے غور و خوض کے بعد بھی نہ ہو سکی۔ پھر کبھی، رات کے پچھلے پہر اور بسا اوقات فجر کی اذان کے بعد اچانک گویا کسی وجدانی کیفیت کے تحت شعر کا مفہوم یوں منکشف ہوا کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور شعر بہ تمام و کمال اپنے حسن جمال کے ساتھ میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔ ایسے مواقع پر میں بے ساختہ کہہ اٹھتا ''ہوں تو گویا یہ بات تھی! تعجب ہے کہ پہلے مجھے اس کی سمجھ کیوں نہ آئی''۔ اپنی اس دریافت سے میں یوں سرشار ہو جاتا گویا کوئی مہم سر کر لی ہو۔''(۱۵)

حامد سعید نے مرزا غالب کی غیر تسلی بخش شرحوں کی چند وجوہات بیان کی ہیں:

- ذوق وشوق اور محنت کی کمی غلط شروح کی اولین وجہ ہے۔
- بیشتر شارحین کرام نے شرح بیان کرتے وقت لغت کا استعمال غیر ضروری سمجھا ہے، لہٰذا وہ الفاظ کے معروف معانی تک محدود رہتے ہوئے درست مفہوم تک نہیں پہنچ پائے۔ غالباً ان کی دانست میں لغت کا استعمال ان کے علمی مرتبے کے شایان شان نہ تھا۔
- غلط شرحوں کی ایک وجہ پہلے سے طے شدہ رائے (Pre-conceived Opinion) ہے۔ یعنی شارح نے شعر پر غور کیے بغیر پہلی نظر میں جو مفہوم اپنے ذہن میں طے کر لیا وہی بیان کر دیا۔ متاخرین نے متقدمین کے علمی مرتبے کے پیش نظر ان کی بیان کردہ شروح کو بغیر جانچے پرکھے درست تسلیم کر لیا اور یوں ابتدائی غلطیوں پر مہر تصدیق ثبت ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ ان کی نشاندہی کرنا بھی جرم قرار پایا۔
- غلط شروح کی ایک وجہ کچھ شارحین کا غلط رویہ ہے جنھوں نے سیدھے سادھے اشعار میں سے بھی بلا جواز مزید مطالب دریافت کرنے کی کوشش میں معاملات کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔

حامد سعید اختر صاحب نے غالب کے سو منتخب اشعار کی منفرد انداز میں شرح بیان کی ہے۔ ''صد شعر غالب'' میں پچھتر اشعار ایسے ہیں جن کی متداول شروح سے حامد سعید کو قطعی اختلاف تھا۔ ایسے اشعار کی شرحوں سے وجہ اختلاف بیان کرتے ہوئے انھوں نے اپنا نقطہ نظر تفصیلاً پیش کیا ہے اور اپنی شروح کو ''شرح نو'' کی سرخی کے تحت تحریر کیا ہے۔ تقریباً پندرہ اشعار ایسے ہیں جن کی معروف شروح سے حامد کا اختلاف یا تو جزوی نوعیت کا تھا یا شعر کے نظر انداز کیے جانے والے کچھ پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی انھوں نے سعی کی ہے۔ پانچ یا چھ شعر ایسے ہیں جن کی شرح کسی ایک شارح نے درست بیان کی ہے۔ ایسی شروح کو اصل شارح ہی سے منسوب کرتے ہوئے قارئین کے استفادے کے لیے اس کتاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔ تقریباً پانچ یا چھ اشعار ایسے ہیں جنھیں غالب کے کمالِ فن کے نمونے کے طور پر اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے اور ان پر تفصیلی تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ کتاب ''صد شعر غالب'' سے غالب کے ایک شعر کی شرح دیکھیے۔ غالب کا شعر ہے:

بے کسی ہائے شب ہجر کی وحشت ہے ہے
سایہ خورشید قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

حامد سعید اختر شروح کا موازنہ پیش کرتے ہیں:

''اس شعر کا عمومی مفہوم تو بالکل واضح ہے۔ وضاحت طلب بات یہ ہے کہ سائے کے خورشید قیامت میں پنہاں ہونے کا مطلب کیا ہے؟

نظم طباطبائی: ''یعنی شب غم کی بیکسی اور اداسی سے وحشت کھا کر میرا سایہ مجھ سے بھاگا ہوا ہے

اور آفتاب قیامت میں جا کر چھپ رہا ہے حالانکہ سایہ آفتاب سے بھاگتا ہے مگر میرا سایہ مجھ سے ایسا بھاگا کہ آفتاب میں اور آفتاب حشر میں پنہاں ہوگیا۔"

طباطبائی کا یہ کہنا کہ سایہ آفتاب سے بھاگتا ہے درست نہیں ہے۔ درحقیقت سایہ تو روشنی کی پیداوار ہے اور آفتاب کے بغیر سائے کا وجود تشکیل ہی نہیں پا سکتا۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی فرماتے ہیں۔ "شب ہجر کی وحشت کا یہ عالم ہے کہ میرا سایہ بھی خوفزدہ ہو کر مجھ سے دور ہوگیا اور خورشید قیامت میں پوشیدہ ہوگیا ہے۔" شارح نے خورشید قیامت میں پوشیدہ ہونے کی عقدہ کشائی نہیں کی۔

آسی: ہائے ہائے شب ہجر میں مجھے جب وحشت ہوتی تھی تو سایہ کیا کیا مجھے ڈرایا کرتا تھا۔ اس کی شرم اور ندامت کی وجہ سے قیامت کے دن خورشید قیامت میں سایہ مجھ سے پوشیدہ ہو رہا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے۔" (۱۶)

حامد سعید اختر نے آسی کی شرح کو انتہائی بے تکی اور بچگانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسے مفہوم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ سائے کا آفتاب سے گریزاں ہونا حقائق کے خلاف ہے اور زیر بحث شعر کی درست شرح شاداں نے کی ہے جسے ہم اپنے الفاظ میں یوں بیان کریں گے:

"ہائے میں اپنی پرہول شب ہجر کی سوگواری، بے کسی اور ظلمت کا حال کیسے بیان کروں کہ ماحول کی ہیبت اور وحشت کے باعث میرا سایہ بھی مجھے تنہا چھوڑ کر خورشید قیامت میں جا چھپا ہے۔ میری تیرہ و تار شب ہجر اتنی دراز ہے کہ قیامت تک شب ہجر کی ظلمت ہی چھائی رہے گی لہٰذا میرا سایہ بھی آفتاب قیامت کے نکلنے تک مجھ سے جدا ہی رہے گا کیونکہ نہ شب ہجر کی ظلمت چھٹے گی نہ روشنی ہوگی اور نہ ہی روشنی کی عدم موجودگی میں سایہ ہو سکتا ہے۔" (۱۷)

"صد شعر غالب" سے غالب کے ایک اور شعر کی شرح دیکھیے۔ غالب کا شعر ہے:

آشفتگی نے نقشِ سویدہ کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

حامد "شروح دیگراں" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ تقریباً تمام شارحین نے اس شعر کی شرح بیان کرنے میں ٹھوکر کھائی ہے کیونکہ انھوں نے سینے کے داغ اور نالے کے تعلق کو غالب ہی کے افکار کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش نہیں کی، لہٰذا وہ اصل مطلب سے کوسوں دور بھٹکتے پھرے ہیں۔ ایک مثال پروفیسر چشتی کی شرح ہے۔ فرماتے ہیں:

"درست کیا، نقش درست کردن کا لفظی ترجمہ ہے جس کے معنی ہیں تصویر بنانے کے بعد اسے نوک پلک سے درست کرنا۔ فوٹوگرافی کی اصطلاح میں اسے ری ٹچنگ کہتے ہیں۔ آشفتگی اور

دود میں مناسبت یہ ہے کہ دود بھی پریشان ہوتا ہے اور آشفتگی بھی موجب پریشانی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری آشفتگی (پریشانی) سویدا (قلب کی سیاہی) کا موجب ہے۔ دوسرا مصرع بطور تمثیل ہے۔ یعنی ثابت ہوا داغ (سویدا) کی علت دود (آشفتگی) ہے۔ بالفاظِ دگر داغ سویدا ہماری آشفتگی (پریشانی) سے پیدا ہوا ہے۔"(۱۸)

حامد کا کہنا ہے کہ چشتی کی شرح منطقی ربط اور دلیل کی بجائے تاویل پر مبنی ہے اور موصوف، شعر کا قابل قبول مفہوم بیان کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ بقول ان کے، آشفتگی نے دل کے سیاہ نشان کی نوک پلک درست کی یعنی اسے بنایا سنوارا جبکہ مرزا غالب یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے جنون اور دیوانگی کے باعث میرے دل کا سیاہ نشان معدوم ہو گیا۔ مولانا مہر فرماتے ہیں:

"عشق کی پریشانی کے باعث دل سے آہ وفغاں کا دھواں اٹھتا رہتا تھا اسی دھوئیں سے دل کے سیاہ نقطے کی صورت قائم ہوگئی۔ اس صورتحال پر شاعر نے اپنا مشاہدہ چسپاں کر دیا یعنی یہ کہ داغ کا اصل سرمایہ اور راس المال صرف دھواں ہوتا ہے کیونکہ جس جگہ دھواں مسلسل لگتا رہے وہ سیاہ ہو جاتی ہے۔"(۱۹)

حامد کہتے ہیں کہ مولانا مہر نے صرف مصرع ثانی کا مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن وہ دونوں مصرعوں میں معنوی ربط دریافت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ انھوں نے نقش سویدا کا موجب پریشانی عشق کے باعث اٹھنے والے دھوئیں کو قرار دیا ہے لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ حالت آشفتگی میں نقش سویدا درست کیونکر ہو گیا؟

حامد درست شرح یوں بیان کرتے ہیں:

"عاشق جب تک عالم ہوش وحواس میں تھا وہ محبوب کی نیک نامی کے پیش نظر نالہ وفریاد سے گریزاں رہتا تھا۔ نتیجتاً دل میں جمع ہونے والے نالوں نے اس کے سینے کو داغدار کر دیا۔ جب وہ ہوش وحواس کھو کر دیوانہ بن گیا تو تمام مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر نالہ وفریاد کرنے لگا۔ جب نالوں کی رخصت اظہار ملی تو ابخرات سے پیدا ہونے والے دل اور سینے کے داغ بھی رفتہ رفتہ معدوم ہو گئے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ دل پر پڑنے والے داغ کی بذاتہ کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ وہ دل سے اٹھنے والے دھوئیں کے باعث پیدا ہوا تھا۔ جب دھواں خارج ہونے لگا تو داغ رفتہ رفتہ مٹ گیا۔"(۲۰)

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "صد شعر غالب" شرح غالب کے حوالے سے بے حد قابل قدر کتاب ہے۔ حامد سعید اختر نے غالب کے متعدد شارحین کی شرحوں کے اسقام کی نشاندہی کرتے ہوئے غالب کے شعر کے اصل مفہوم کو خوبی سے اجاگر کیا ہے۔ اپنے اخذ کردہ مفاہیم کو مستند بنانے کے لیے دیگر شارحین کی شرحوں کے

اقتباسات درج کرتے ہوئے کہیں ان سے اختلاف اور کہیں جزوی اتفاق کر کے اپنی تشریحات پیش کر دی ہیں ۔آخر میں دو سخن شناسوں کی آراء "صد شعر غالب" کے حوالے سے ملاحظہ فرمایے۔ممتاز محقق، نقاد اور دانشور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے الفاظ میں:

"بیشتر اشعار کے بارے میں ان کی توضیحات دیگر شارحین کے مقابلے میں زیادہ قابل قبول ہیں۔ انہوں نے بعض پیچیدہ اشعار کو اتنے اچھے انداز میں سلجھایا ہے کہ دل بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ اصل مفہوم وہی ہے جو حامد سعید اختر نے بیان کیا ہے۔۔۔کلام غالب کی یہ نئی شرح، جسے شارح نے "صد شعر غالب" کا عنوان دیا ہے، غالب کی شاعری سے شغف رکھنے والوں کیلئے ایک نادر ارمغان کی حیثیت رکھتی ہے۔مجھے یقین ہے کہ اس کی شایان شان پذیرائی ہوگی اور غالب کے متعدد مبہم اور مشکل اشعار کو سلجھانے میں اس کی منفرد حیثیت کا اعتراف کیا جاتا رہے گا۔"(۲۱)

بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

"حامد سعید نے غالب کی شعری زبان کے ثقافتی اور لسانی پہلوؤں کے بارے میں خاصی جانکاری حاصل کر رکھی ہے اور وہ غالب کے شعر کی پرت کے اندر معانی کو غالب ہی کے دیگر اشعار کے معنیاتی ابعاد کی روشنی میں پرکھنے پر بھی پوری طرح قادر ہیں۔اس میں کوئی کلام نہیں کہ حامد سعید صاحب نے یہ خوبصورت کتاب لکھ کر تفہیم غالب کے سلسلے میں ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔"(۲۲)

بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حامد سعید اختر نے سادہ اور سلیس انداز میں اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا دیے ہیں۔ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور ان کی مندرجہ بالا تمام کتب ان کی تنقیدی بصیرت، تجربے اور گہرے مشاہدے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) انٹرویو، بریگیڈیئر حامد سعید اختر، ۲۱ جون ۲۰۱۱ء

(۲) ایضاً

(۳) وزیر باتقریر از بریگیڈیئر حامد سعید اختر،، لاہور: ضیا القرآن پبلی کیشنز، فروری ۲۰۰۲ء

(۴) بریگیڈیئر حامد سعید اختر، درس ادیب اگر بود زمزمہ محبتے، مشمولہ وزیر باتقریر

(۵) بریگیڈیئر حامد سعید اختر، سر منڈاتے ہی "گولے" پڑے، مشمولہ وزیر باتقریر، ص:۲۱۔۲۲

(۶) ایضاً، بابائی عمریا کا تصدیق نامہ، مشمولہ وزیر باتقریر، ص:۴۸

(۷) ایضاً، انصاف عوام کی دہلیز پر، مشمولہ وزیر باتقریر، ص:۲۲

(۸) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مضمون 'چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا'، مشمولہ وزیر با تقریر، ص:۱۵

(۹) ایضاً

(۱۰) بریگیڈیئر حامد سعید اختر، وزیر با تقریر، ص:۱۹۔۲۰

(۱۱) مشتاق احمد یوسفی، فلیپ، وزیر با تقریر

(۱۲) اشفاق احمد، ایضاً

(۱۳) فرحت عباس شاہ، فلیپ، ریاست، سیاست اور قیادت، لاہور: شام کے بعد پبلی کیشنز، یکم جنوری ۲۰۰۲ء

(۱۴) بریگیڈیئر حامد سعید اختر، صد شعر غالبؔ، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۹ء، ص xiv

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ایضاً، ص:۱۴۹

(۱۷) ایضاً، ص:۱۵۰

(۱۸) ایضاً، ص:۲

(۱۹) ایضاً، ص:۳

(۲۰) ایضاً، ص:۳

(۲۱) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، فلیپ، صد شعر غالب از بریگیڈیئر حامد سعید اختر، ص: ix

(۲۲) ڈاکٹر وزیر آغا، فلیپ، صد شعر غالب از بریگیڈیئر حامد سعید اختر